E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 07 – Ghair Afsanvi Adab

Module Name/Title : Inshaiah

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE, MANUU / Prof. Baig Ehsaad, Prof. Aqeel Hashmi Dr. Mustafa Kamal
PRESENTATION	Prof. Baig Ehsaad, Prof. Aqeel Hashmi Dr. Mustafa Kamal
PRODUCER	Md. Mujahid Ali

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی 6 : انشائیہ کا مفہوم اور بنیادی خصوصیات

ساخت

6.1 تمہید

6.2 انشائیہ کا مفہوم اور تعریف

6.3 انشائیہ کے ابتدائی نقوش

6.4 چند اہم انشائیہ نگار

6.5 انشائیہ کے تعلق سے ایک مختلف نقطۂ نظر

6.6 انشائیہ کی بنیادی خصوصیات

6.7 خلاصہ

6.8 نمونہ امتحانی سوالات

6.9 فرہنگ

6.10 سفارش کردہ کتابیں

6.1 تمہید

انشائیہ اردو کی سب سے کم عمر صنف ادب ہے۔ انشائیہ انگریزی میں Personal Essay کہلاتا ہے۔ انشائیہ میں شخصی خیالات و تاثرات جو کسی بھی چیز سے متعلق ہوتے ہیں انہیں اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ ایک نئی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ یوں بھی ہر اچھی ادبی تخلیق مسرت سے شروع ہو کر بصیرت پر ختم ہوتی ہے۔ انشائیہ میں فلسفیانہ نکتہ رسی بھی ہوتی ہے لیکن ہلکے پھلکے انداز میں پیش کی جاتی ہے۔ انشائیہ میں غزل کا سا انداز ہوتا ہے یعنی گہری سے گہری بات خوش گوار انداز میں پیش کی جاتی ہے۔ انشائیہ میں کسی خاص ترتیب کے ساتھ خیالات کا اظہار نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اسے غیر منظم ادب پارہ بھی کہا جاتا ہے مختصر طور پر انشائیہ وسعت علم، احساس، شعریت اور حکیمانہ نزاکت خیال سے عبارت ہوتا ہے۔

6.2 انشائیہ کا مفہوم اور تعریف

انشائیہ کا مفہوم واضح کرنے کے لیے اس کی تعریف کی طرف رجوع ہونا پڑے گا لیکن کسی بھی صنف ادب کی تعریف اس قدر جامع اور مکمل نہیں ہوسکتی کہ اس صنف کی ہر خصوصیت اس کے احاطے میں آجائے کیونکہ ہر صنف میں بڑی رنگا رنگی اور تنوع ہوتا ہے۔ کسی تعریف میں اتنی وسعت نہیں ہوتی کہ وہ اس صنف کی ساری نیرنگیوں کو اسیر کر سکے۔ اس کے باوجود تعریفیں کسی بھی صنف کے مفہوم کو نمایاں کرنے میں اہم حصہ ادا کرتی ہیں۔ یہ صنف ادب بھی چونکہ مغرب میں پہلے فروغ پا چکی تھی اس لیے وہاں مختلف نقادوں نے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ اس کی جو تعریفیں کی ہیں، اس صنف کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ان سے مدد لینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس لیے مغرب میں اس صنف کی جو تعریفیں کی گئی ہیں، ان سے بھی بحث کی جائے گی۔

مغرب میں اور خاص طور پر انگریزی میں "ایسے" کا لفظ ہمارے "مضمون" کے لفظ کی طرح بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے انشائیے کو Personal or light Essay کہا جاتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا میں "ایسے" کی حسب ذیل تعریف ملتی ہے:

"ادب کی ایک صنف کی حیثیت سے "ایسے" اوسط لمبائی کا ایک ایسا مضمون، جو عموماً نثر میں ہوتا ہے اور جس میں سہل اور سرسری انداز میں کسی موضوع سے اور سچ پوچھیے تو صرف اس موضوع سے بحث کی جاتی ہے جو لکھنے والے کو متاثر کرتا ہے۔"

اس تعریف میں جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مصنف جب کسی موضوع سے متاثر ہوتا ہے تو وہ اپنے تاثرات کو لطیف انداز اور آسان انداز میں پیش کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے "ایسے" میں شخصی تاثرات اور احساسات کو بنیادی حیثیت حاصل رہتی ہے۔ "سہل اور سرسری" کا مطلب یہ ہے کہ انشائیہ میں بوجھل پن اگر پیدا ہو جائے تو وہ انشائیہ نہیں رہتا۔ الیف۔ ایچ پر ٹچرڈ نے ایک کتاب Great Essays of All Nation کے عنوان سے مرتب کی ہے۔ وہ "ایسے" کی دو خصوصیات ہی پر زور دیتا ہے۔ "ایسے" کا انداز سادہ ہو دوسرے یہ کہ وہ غیر مصنوعی ہو۔ انشائیہ میں بے تکلف انداز بڑی اہمیت رکھتا۔ اور بے تکلف انداز اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اس میں مصنوعی پن کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہوسٹن پٹیرسن نے بھی Great Essays کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے اس میں انشائیہ کی حسب ذیل تعریف ملتی ہے۔

"انشائیہ (ایسے) ایک نثری تحریر ہے جو ایک سے لے کر بیس یا تیس صفحات پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس میں کسی بھی موضوع سے بحث کی جاسکتی ہے لیکن اس کا انداز شخصی بھی ہو اور غیر مصنوعی بھی۔ اسی میں حکیمانہ فکر تو ہوسکتی ہے لیکن سنجیدگی کے ساتھ نہیں۔ اس میں فلسفہ تو ہوگا، لیکن فلسفیانہ باقاعدگی نہیں ہوگی۔ اس میں ایک غیر مربوط وحدت ہوگی اور موضوع سے ایک خوشگوار انحراف بھی ہوگا۔ انشائیہ نگار کے نقطۂ نظر اور رائے سے اتفاق ضروری نہیں اور وہ اپنے نقطۂ نظر اور رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور بھی نہیں کرتا۔ انشائیہ نگار ایک دوست کی طرح اپنی بات کہتا ہے۔ وہ الفاظ کو برتنے کا فن جانتا ہے۔ ورجینا وولف کے نزدیک انشائیہ نگار کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ اسے یہ جاننا چاہیے کہ وہ اسے کس طرح لکھنا چاہیے۔ انشائیے کو ترجمہ کرنے سے اتنا ہی نقصان پہنچتا ہے جتنا کہ غزل کا ترجمہ کرنے سے غزل کو پہنچتا ہے۔"

اردو میں "انشائیے" کی تعریف کے سلسلے میں کافی بحثیں ہو چکی ہیں۔ سبھی نقادوں نے انشائیہ کو بے تکلفانہ اور غیر رسمی انداز قرار دیا ہے۔ کسی نے مزاح کی مکمل حمایت کی تو کسی نے مخالفت اور بعض نے ہلکی پھلکی شگفتگی پر زور دیا۔ یہہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ انشائیہ نگاری مزاح نگاری نہیں ہے۔ لیکن اردو کے مزاح نگاروں کی اکثریت نے ایسے مضامین لکھے ہیں جن میں انشائیوں کی خصوصیات ملتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسنین کہتے ہیں:

"مزاح کو ذاتی طور پر میں انشائیہ کا جوہر ہی نہیں جوہر اعظم قرار دیتا ہوں۔ یہہ انشائیہ نگاری کی سیرت وسرشت کا خمیر ہے۔ اور یہی اس کے فن کا جلوۂ صد رنگ بھی ہے"

(صنف انشائیہ اور انشائیے ص 25)

مضمون نگار اور انشائیہ نگار کا فرق اس وقت پوری طرح سامنے آتا ہے جب دونوں ایک ہی موضوع پر لکھتے ہیں، انشائیہ نگار کا نقطۂ نظر ہمیشہ شخصی اور ذاتی ہوتا ہے۔ فکر کی گہرائی کے باوجود وہ سنجیدہ نہیں ہوتا۔ اس کے رویہ میں خواہ کوئی بھی موضوع ہو شگفتگی اور شادابی ہوتی ہے۔ انشائیہ نگار ہمیشہ اپنے موڈ کے تابع ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار خارجی اشیا کے ذریعے داخلی احساسات اور کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے۔

مذکورہ تمام باتیں انشائیہ کی تعریف بھی متعین کرتی ہے اور اس کے مفہوم کی بھی وضاحت کرتی ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1- انشائیہ کسے کہتے ہیں؟

2- ڈاکٹر حسنین نے انشائیہ کے لیے کس وصف کو جوہر قرار دیا ہے؟

6.3 انشائیہ کے ابتدائی نقوش

انشائیے کے ابتدائی نقوش ملا وجہی کی ''سب رس'' میں ملتے ہیں۔ کسی بھی موضوع کے بارے میں جو جو خیالات آتے ہیں ان کو لطیف اور خوش گوار انداز میں بیان کرنا۔ انشائیے کی پہلی شرط ہے۔ کسی بھی موضوع کے بارے میں انشائیہ نگار کے شخصی تاثرات، احساسات اور کیفیات انشائیے میں لازمی طور پر ہوا کرتے ہیں۔ موضوع کے تعلق سے ذہن کی آزادترنگ انشائیہ کا خاصہ ہے۔ اعلیٰ درجے کے انشائیہ میں احساس شعریت، وسعت علم اور حکیمانہ نزاکت بڑی عمدگی کے ساتھ آمیز ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اردو کی اولین نثری کتابوں میں ملا وجہی کی ''سب رس'' بڑی اہمیت رکھتی ہے اس کے بعض حصے انشائیہ کے اولین نمونے کہے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ انشائیے کی مذکورہ بالا شرطوں کو پورا کرتے ہیں۔ ''عقل'' کے بارے میں وجہی نے لکھا ہے۔

> ''عقل نور ہے، عقل کی دوڑ، بہت دور ہے۔ عقل ہے تو آدمی کہواتے، عقل ہے تو خدا کوں پاتے۔ عقل اچھے تو تمیز کرے، برا اور بھلا جانے، عقل اچھے تو اپس کوں ہور دوسرے کوں پچھانے۔ عقل تے میر، عقل تے پیر۔ عقل تے بادشاہ، عقل تے وزیر۔ عقل تے دنیا، عقل تے دولت۔ عقل تے چلتی سلطاناں کی سلطنت، عقل تے رہیا ہے جو عالم کھڑا، جس میں بہوت عقل و بہوت بڑا۔ عقل سوں چلتی خدا کی خدائی، جتنی عقل اتنی بڑائی...... عقل بغیر دل کوں نورنئیں، عقل کوں خدا کہنا بھی کچھ دور نئیں۔''

ڈاکٹر وزیر آغا کے ہاں انشائیہ کا مفہوم کافی محدود ہے۔ وہ انشائیہ نگار کی ایک صفت یہ قرار دیتے ہیں کہ انشائیہ نگار کے نزدیک خیال مقصود بالذات ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''انشائیہ نگار شے یا خیال کو اس کے ماحول سے کاٹ کر مقصود بالذات قرار دیتا اور یوں قطرے میں دجلہ دریافت کرتا ہے۔''

دوسری جگہ انشائیہ نگار کے تعلق سے کہتے ہیں:

> ''انشائیہ کا کام موضوع پر متعین معانی کے...... پرتوں کو نوچ کر الگ کرنا تھا تا کہ نئے مفاہیم کی آمد کا راستہ ہموار ہو سکے۔''

گو وزیر آغا اس بات کے مخالف ہیں کہ وجہی کی ''سب رس'' میں انشائیے کی تلاش کی جائے لیکن انہوں نے انشائیے اور انشائیہ نگار کی جو صفات متعین کی ہیں، اس پر وجہی اور ''سب رس'' پورے اترتے ہیں۔ ''سب رس'' میں جگہ جگہ انشائیے کی ابتدائی صورتیں واضح طور پر نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ اس طرح اردو نثر اور خاص طور پر ادبی نثر کی اولین کتاب میں انشائیے کے نقوش ملتے ہیں۔ یہ نقوش جیسا جیسا زمانہ گزرتا گیا گہرے ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ انشائیہ ایک مستقل ادبی صنف کی صورت میں ابھر کر سامنے آیا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1- انشائیے کے ابتدائی نقوش کس کی تحریروں میں ملتے ہیں؟

2- عقل کے بارے میں وجہی کیا کہتا ہے؟

6.4 چند اہم انشائیہ نگار

وجہی کی ''سب رس'' میں انشائیہ کے ابتدائی نقوش واضح طور پر نظر آتے ہیں لیکن انشائیہ کا باقاعدہ طور پر آغاز سرسید سے ہوتا ہے تاہم سرسید کے تمام مضامین کو بھی انشائیہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان میں انداز بیان کی وہ شگفتگی اور ''ترنگ'' کا انداز نہیں ملتا جو انشائیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ان کے پاس مباحث میں کافی سنجیدگی ملتی ہے۔ یہ مضامین شخصی اور داخلی ہونے کی بجائے خارجی زندگی کے واقعات اور مسائل کو پیش کرتے ہیں۔لیکن ان کا مضمون ''امید کی خوشی'' انشائیہ کے تمام مطالبات کو پورا کرتا ہے۔اس کے شخصی انداز اور بیان کی شگفتگی کے باوصف اس کو انشائیہ کے اولین نمونوں میں شامل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔سرسید کے ساتھ محمد حسین آزاد کی کتاب ''نیرنگ خیال'' انشائیوں کے شرائط اور تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔''شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار'' انشائیوں کی ساری لطافت رکھتا ہے۔اسی طرح ''نیرنگ خیال'' کے دوسرے مضامین ہیں۔عبدالحلیم شرر کے بہت سے مضامین انشائیے ہی کہے جاسکتے ہیں۔جیسے ''مغرور جوتا'' اور ''ہمارے شعرا کا معشوق۔''ان میں بیان کی خوش آہنگی بھی ہے اور نکتہ رسی بھی،اس نوعیت کے ان کے کئی انشائیے ہیں۔اردو انشائیہ نگاروں میں حسن نظامی بھی اپنی ممتاز جگہ رکھتے ہیں۔انہوں نے سینکڑوں انشائیے لکھے ہیں۔ان کے عنوانات کو دیکھ کر ہی محسوس ہوتا ہے کہ انشائیے کے سوا یہ اور کسی صنف کے عنوانات نہیں ہوسکتے۔ یہاں چند ایک عنوانات پیش کیے جارہے ہیں۔مچھر،مکھی،الو،لیمپ،مٹی کا تیل،دیا سلائی،اوس،انگلی کا کشف،اینٹ چونے کا وصال،برف،لال ٹین،ایک پیسہ۔یہ چند ایک عنوانات ہیں ان کے علاوہ ایسے عنوانات ہیں جن سے شوخیانہ رنگ ظاہر ہوتا ہے۔مثال کے طور پر ''مست الست کی دعا'' دعائے بیقراری اور دل آشفتہ کی بکاوزاری،حروف کی دعا،موسمی دعائیں،جھولی والے فقیر کی بھیک،طائر سبز فام کا پیام'تو ہی ہے اے خدا'' بندوں کی دعا، ربّانی سرجن جیسے عنوان بھی پچاسوں ہیں۔سجاد حیدر یلدرم نے زیادہ نہیں لکھا لیکن ان کا ایک ہی انشائیہ ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ'' ان کو انشائیہ نگاروں میں شامل کرنے کے لیے کافی ہے۔فرحت اللہ بیگ،مولانا ابوالکلام آزاد،رشید احمد صدیقی،مہدی افادی، پطرس بخاری،سجاد انصاری،شوکت تھانوی،ناصر علی دہلوی،شفیق الرحمٰن،کرشن چندر،سعادت حسن منٹو،ابراہیم جلیس،مشتاق احمد یوسفی،یوسف ناظم،مجتبیٰ حسین اور کئی بہت اچھے انشائیہ نگار ہیں۔ان تمام انشائیہ نگاروں نے اس صنف ادب کو اہمیت اور وقار بخشا ہے۔

دلیپ سنگھ،نریندر لوتھر،مسیح انجم،شفیقہ فرحت،پرویز یداللہ مہدی،عباس متقی،حبیب ضیا،نصرت ظہیر،حلیمہ فردوس،عابد معز،فیاض فیضی کے علاوہ کئی ایسے انشائیہ نگار ہیں جنھوں نے انشائیہ نگاری کی حالیہ تاریخ میں ایک مقام پیدا کیا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1- سرسید کا کون سا مضمون انشائیہ کے مطالبات پورے کرتا ہے؟

2- محمد حسین آزاد کے چند انشائیوں کے عنوانات بتائیے۔

6.5 انشائیہ کے تعلق سے ایک مختلف نقطۂ نظر

انشائیہ کو اگر ہم ایک صنف ادب قرار دے چکے ہیں تو پھر اس کے مختلف رنگ، رویئے اور انداز ہوں گے۔جس طرح ناول، افسانے یا ڈرامے مزاحیہ اور طنزیہ ہوسکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن صرف اس بنا پر کہ اس میں مزاحیہ رنگ غالب ہے تو ہم اس کو اس صنف سے الگ نہیں کرسکتے۔اسے مزاحیہ ناول، افسانہ یا ڈراما کہا جائے گا لیکن بعض نقاد، صنف کا جو انداز، رویہ یا رنگ ہوتا ہے، اس کو اتنی اہمیت دے دیتے ہیں کہ اس انداز، رویئے یا رنگ کی وجہ سے اسے اس صنف ادب سے خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں کہ وہ لکھا گیا ہے۔ڈاکٹر احسن فاروقی نذیر احمد کے ناولوں کو صرف اس بنا پر ناول کہنے سے انکار کرتے ہیں کہ ان میں تمثیلی رنگ ملتا ہے۔ان کا یہ کہنا ہے کہ نذیر احمد کے کردار اسم بہ مسمّٰی ہوتے ہیں۔اکبری بڑی ہے، اصغری چھوٹی، نصوح ہر جگہ نصیحت کرتا ہے۔ابن الوقت وقت کو دیکھ کر رنگ بدلتا ہے۔لیکن حقیقی معنوں میں وہ اسم بہ مسمّٰی بھی نہیں ہیں۔اکبری اپنے کردار سے چھوٹی ہے یعنی اصغری ہے۔اور اصغری اپنے کردار کے لحاظ سے بڑی یعنی اکبری ہے۔ابن الوقت بھی حقیقی معنوں میں ابن الوقت نہیں ہے۔کیونکہ ابن الوقت وقت کو دیکھ

کر جس میں اپنا فائدہ ہو اُدھر جھک جاتا ہے۔ ناول ''ابن الوقت'' کا کردار ہمیشہ ایسے کام کرتا ہے جس میں اس کا فائدہ نہیں تھا۔ اس زمانے میں جب انگریزوں کے خلاف ہندوستانی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انگریزوں کو اور ان کے حمایتیوں کو چن چن کر مارا جا رہا تھا، ایسے وقت میں اپنے کو اور اپنے سارے گھر والوں کو خطرے میں ڈال کر، دوسرے الفاظ میں اپنی جان پر کھیل کر وہ ایک انگریز کی جان بچاتا ہے اور اس وقت تک اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرتا ہے جب تک کہ وہ اچھا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح اگر وہ اسم بہ مسمی یعنی ابن الوقت ہوتا تو نوبل صاحب کے جانے کے بعد جب شارپ آتا ہے تو اپنا انداز اور رویہ بدل کر شارپ کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتا، لیکن ان دونوں موقعوں پر وہ ابن الوقت ہونے کا ثبوت نہیں دیتا بلکہ اپنے نقصان کی پرواہ کیے بغیر وہی کرتا ہے جس سے ابن الوقتی ظاہر کرنا ہے۔ ان تمام باتوں سے بڑھ کر کسی قصے کے تمثیلی انداز اختیار کرنے سے وہ تمثیل نہیں بن جاتا بلکہ اس کو ناول ہی کہا جائے گا اور اس کے تمثیلی انداز کی وجہ سے اسے تمثیلی ناول کہا جائے گا۔ اس بات کی بہترین مثال موبی ڈک (MobyDic) ہے۔ اسے تمثیلی ناول (Allegorical Novel) کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا طنزیہ اور مزاحیہ انشائیہ کو انشائیہ کی صنف سے الگ صرف اس بنا پر کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے انشائیوں میں طنز یا مزاح نمایاں صورت میں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''جس مضمون میں طنزیہ انداز غالب اور ہنسی کے ذریعے اصلاح احوال مطلوب ہو، اسے ہم طنزیہ مضمون کہیں گے دوسری طرف جس مضمون میں مزاحیہ انداز نمایاں اور آسودگی پہنچانا مقصود نظر ہو، اسے مزاحیہ مضمون کا نام دیں گے۔''

یہ طریقۂ استدلال بالکل ڈاکٹر احسن فاروقی جیسا ہے کہ ناول میں تمثیلیہ انداز غالب ہو تو ہم اسے تمثیل کہیں گے۔ یہ تو بالکل وہی بات ہوئی کہ اگر ناول میں مزاح کا انداز غالب ہو تو ہم یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ چونکہ مزاح کا انداز غالب ہے اس لیے ہم اسے ناول نہیں کہیں گے۔ آپ کے ذہن میں کسی ادبی صنف کے تعلق سے حصار بندی خواہ کتنی ہی موہوم کیوں نہ ہو آپ کسی انداز یا رنگ کی وجہ سے کسی تحریر کو اس صنف سے خارج نہیں کر سکتے۔ لیکن وزیر آغا ایسا کرنے پر مصر ہیں۔

وزیر آغا نے اپنی بات کو مدلل بنانے کے لیے پریم چند کا ایک مضمون ''گالیاں'' لیا اور اس کا ایک اقتباس پیش کرنے کے بعد غلام جیلانی اصغر کا ایک انشائیہ جو اسی عنوان پر ہے، اس کا ایک اقتباس لے لیا۔ دونوں کے اقتباس پیش کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

> ''آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح ایک ہی موضوع کسی سنجیدہ مضمون نگار کے ہاتھوں سے نکل کر ایک آزاد طبع انشائیہ نگار کے ہاتھوں میں آیا تو اسلوبِ اظہار کے ساتھ ساتھ اسلوب خیال بھی تبدیل ہو گیا۔ منشی پریم چند اپنے موقف کے سلسلے میں بے حد سنجیدہ ہیں۔ ان کی جگہ کوئی مزاح نگار ہوتا تو انتہائی غیر سنجیدہ ہو جاتا مگر انشائیہ نگار کا کام یہ ہے کہ وہ سنجیدگی اور غیر سنجیدگی کی ملتی ہوئی سرحد پر چہل قدمی کرتا ہے۔ یہ گویا پل صراط پر چلنے کا انداز ہے۔ وہ موضوع کے ساتھ گویا کھیلتا ہے۔ ایک ہی وقت میں موضوع کی ناہمواری کو بھی نشان زد کرنا ہے اور اس کے گہرے مفاہیم کو بھی، غلام جیلانی اصغر نے اپنے انشائیہ ''گالی دینا'' میں یہی انداز اختیار کیا ہے۔''

وزیر آغا نے بقول خود ان کے ایک ''سنجیدہ مضمون'' اور ایک انشائیہ کا مقابلہ کیا ہے جن کا موضوع ایک ہے۔ لیکن اس سے انشائیہ اور مزاحیہ انشائیے کا فرق کہاں واضح ہوتا ہے۔ انشائیہ اور مزاحیہ انشائیے جو ایک موضوع پر لکھے گئے ہوں، ان کا تقابلی مطالعہ کر کے اگر وہ یہ بتاتے کہ مزاح کی وجہ سے یہ انشائیہ، انشائیہ نہیں رہا تو ایک بات ہوتی۔

وزیر آغا انشائیے کا اس قدر محدود تصور رکھتے ہیں کہ انہوں نے صرف چار نام گنائے ہیں۔ ناصر علی دہلوی، سجاد انصاری، خواجہ حسن نظامی اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ لیکن ان کو بھی وہ مکمل انشائیہ نگار نہیں سمجھتے بلکہ انشائیہ نگار بنتے بنتے رہ جانے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

> ''مگر دیکھا جائے تو ان لکھنے والوں میں بھی ناصر علی دہلوی، سجاد انصاری، خواجہ حسن نظامی اور ابوالکلام آزاد ہی وہ

ادیب تھے جن کے ہاں انشائیہ کے مخصوص مزاج اور اسلوب کی طرف پیش قدمی کے شواہد ملتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جوانشائیہ نگار بنتے بنتے رہ گئے۔ (معنی اور تناظر ص279-278)

انشائیے کے تعلق سے ان کی ساری بحث سے دو باتیں صاف طور پر ظاہر ہوتی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اولین انشائیہ نگار ثابت کرنا چاہتے ہیں دوسرے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں انشائیہ نگاری شروع ہوئی اور اس کے محرک وہ خود تھے۔ لکھتے ہیں:

''نصیر آغا کے نام سے اس کا پہلا انشائیہ ''ادبی دنیا'' میں چھپا تھا وہ بطور انشائیہ لکھا ہی نہیں گیا تھا۔ البتہ اس کے تین چار برس بعد قیوم نظر کے ایماپر اس نے شعوری طور پر انشائیہ بعنوان ''گرمی'' لکھا اور یہیں سے پاکستان میں انشائیہ نگاری کی ایک باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوگیا۔''

غنیمت ہے کہ انہوں نے اتنا اعتراف ضرور کیا ہے کہ انشائیہ کا لفظ ہندوستان میں پہلے استعمال ہوا لیکن وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انشائیے کا آغاز اور اس کے لکھنے والے دراصل پاکستان کے ہیں البتہ بعد میں ہندوستان میں بھی انشائیے کے لکھنے والے مل جاتے ہیں۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ انہوں نے ہی ''لائٹ ایسّے'' کے لیے انشائیہ کا لفظ نہ صرف استعمال کیا بلکہ اسے رواج بھی دیا۔ اس تعلق سے وہ لکھتے ہیں:

''آغاز کار میں ایسّے، لائٹ ایسّے لطف پارہ وغیرہ الفاظ اور تراکیب رائج کرنے کی کوشش کی گئی مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انہی دنوں ہندوستان میں فکاہی مضامین کے لیے بعض ادبا نے ''انشائیہ'' کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ راقم الحروف نے ''ادب لطیف'' کی معاونت سے اس لفظ کو لائٹ ایسّے کے لیے استعمال کرنے کا آغاز کیا اور خوش قسمتی یہ ہوئی کہ نہ صرف اردو انشائیہ کی تحریک کامیاب ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ہی لفظ انشائیہ بھی مقبول ہوگیا۔''

وزیر آغا نے جو قدیم انشائیہ نگاروں جیسے سجاد انصاری، خواجہ حسن نظامی، مولانا ابوالکلام آزاد، ناصر علی دہلوی کی انشائیہ نگاری کو تسلیم نہیں کیا ہے وہ بات اب سمجھ میں آرہی ہے۔ اگر وہ ان انشائیہ نگاروں کو تسلیم کر لیتے تو پھر وہ خود کس طرح سے اردو کے اولین انشائیہ نگار بن سکتے تھے اور یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ انشائیہ نگاری کی تحریک ان کی وجہ سے شروع ہوئی اور اسے رواج بھی انہوں نے دیا۔ دراصل ان کے یہ تمام دعوے بے بنیاد ہیں۔

انشائیہ کا لفظ ہندوستان میں ایک زمانے سے رائج ہے۔ پاکستان کے قیام سے بہت پہلے انشائیے اردو میں لکھے جارہے تھے۔ انشائیہ کی کوئی بھی تعریف ایسی نہیں ہے جس پر ناصر علی، سجاد انصاری، حسن نظامی اور ابوالکلام آزاد کے انشائیے پورے نہ اترتے ہوں۔ ان انشائیہ نگاروں کو جو تقدم زمانی حاصل ہے اس سے اگر ایک آدھ فرد انکار کردے تو تاریخ بدل نہیں جاتی۔ اس قسم کی ادبی لن ترانیوں سے نہ تو تاریخ کو بدلا جاسکتا ہے نہ ہی مزاحیہ اور طنزیہ انشائیہ کو انشائیہ نگاری سے خارج کیا جاسکتا ہے۔ مزاح نگار عرصہ دراز سے انشائیے لکھ رہے ہیں اور ان کے انشائیوں کے مجموعے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ خاص طور سے آزادی کے بعد اس نوعیت کی بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1- ڈاکٹر وزیر آغا مزاحیہ انشائیے کو انشائیہ کی صنف سے الگ کیوں کرتے ہیں؟

2- انشائیہ کا لفظ کب سے رائج ہے؟

6.6 انشائیہ کی بنیادی خصوصیات

انشائیے کے مفہوم کو انگریزی کے مشہور ادیب ڈاکٹر سیمول جان سن نے بہت بہت مختصر لیکن بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ جانسن کا انشائیہ کے تعلق سے کہنا ہے It is a loose sally of mind یعنی انشائیہ ذہن کی ایک آزاد ترنگ ہے۔ انشائیہ کی جان یہی ترنگ ہوا کرتی ہے۔ انشائیہ میں یہ ترنگ ہی کی کیفیت ہوتی ہے جو اسے دوسری اصناف ادب سے الگ کرتی ہے۔ ترنگ کا لفظ ایک دلچسپ اور خوش گوار انتشار کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ انتشار

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34.
IMC LIBRARY

انشائیے کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ انسان ترنگ میں آ کر ہی ہر طرح کی باتیں اور ہر موضوع پر باتیں بے تکلف اور بے جھجک ہو کر کہہ سکتا ہے۔ اسی وجہہ سے انشائیہ میں انشائیہ نگار کی شخصیت بے نقاب ہوتی ہے۔ انشائیہ کے ذریعے انشائیہ نگار اپنی پسند اپنی ناپسند، اپنی محبت، اپنی نفرت، اپنا شوق اپنا ذوق، اپنے اعتقادات، اپنے توہمات غرض کہ سب کچھ بیان کر جاتا ہے۔ انشائیہ کا سارا حسن اور اس کی تاثیر اس کے شخصی ہونے میں ہے۔ دراصل یہ صنف ادب وجود میں آئی صرف اس لیے کہ ادیب اپنے ذاتی خیالات، آزادانہ طور پر بیان کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنف کے موجد مونٹین نے اسے ذاتی شبیہہ (Self portrait) سے تعبیر کیا ہے۔

انشائیہ میں مواد اور ہیئت دونوں پر شخصیت کی چھاپ ہوتی ہے اور شخصیت کی یہ جلوہ گری انشائیہ کو مقبول ہی نہیں محبوب بنا دیتی ہے۔ انشائیے شخصی جذبات و احساسات اور ذاتی تجربات و مشاہدات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ انشائیہ نگار جب کسی چیز سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے خیالات اور جذبات کی رو بہہ نکلتی ہے لیکن جس طرح دریا کے بہاؤ اور روانی کے لیے کوئی مخصوص راستہ متعین نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح انشائیہ نگار کے خیالات کو اصولوں اور پابندیوں کی زنجیر نہیں پہنائی جا سکتی۔ انشائیہ میں خیالات کے بہاؤ کی وجہ سے ایک طرح کی لے اور ایک آہنگ پیدا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے انشائیہ کو Lyric یا غنائیہ کے مماثل قرار دیا جاتا ہے۔

رشید احمد صدیقی بھی اپنے انشائیوں میں غزل کی سی کیفیت پاتے ہیں۔ وہ اپنے مضامین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرے مضامین غزل کی نوعیت کے ہوتے ہیں، مربوط اور مسلسل نظم کے مانند نہیں''۔

اپنے فن کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''مضامین میں جو باتیں غیر متعلق اور ہلکی ہلکی معلوم ہوتی ہیں وہ میرے فن کی شریعت کے عین مطابق تھیں۔ میں خود نہیں بہکتا تھا۔ دوسروں کو بہکنے اور بہلنے کی فرصت دیتا تھا۔ عقل کی باتیں دیر تک سنی جا سکتی ہیں نہ سنائی جا سکتی ہیں۔''

رشید احمد صدیقی چونکہ خود بھی انشائیہ نگار تھے، اس لیے انشائیے کے تعلق سے ایسی پتے کی باتیں کہہ گئے ہیں۔ انشائیہ کا فن بھی اصل میں یہی ہے کہ باتوں باتوں میں پتے کی بات کہہ دی جائے اور کچھ نہ کہتے ہوئے بہت کچھ کہہ دیا جائے۔ انشائیہ نگار ایسی باتیں اس لیے کرتا ہے کہ ہم بہلتے رہیں اور وہ ہمیں بہلاتا اس لیے ہے کہ ہم اس کی صرف متوجہ رہیں۔ اس کی معصومیت پر یقین رکھیں۔ وہ عقل کی باتیں نہ کر کے عقل مندی کی بات کر جاتا ہے کیونکہ اسے کچھ کہنا ہے۔ وہ ہمارا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہے اور ایسی دوستانہ فضا پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں وہ اپنے دل کی باتیں، جی کی باتیں کہہ سکے۔

انشائیے میں بھی شاعری اور آپ بیتی کی طرح مصنف اور قاری ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں۔ انشائیہ نگار ناصح اور واعظ نہیں ہوتا مخلص دوست ہوتا ہے۔ وہ بات کو سمجھاتا نہیں بجھا دیتا ہے۔ انشائیہ میں ''مقدس سنجیدگی'' بھی شیریں دیوانگی کا لبادہ اوڑھے سامنے آتی ہے۔ انشائیہ میں مسلسل اور مربوط انداز میں کسی مسئلہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے، نہ اس کی تشریح کی جاتی ہے۔ انشائیہ نگار کھل کر تو بات کرتا ہے لیکن بات کو کھول کر کہنا اس کا کام نہیں، انشائیے میں اشاروں اشاروں میں سب کچھ کہہ دیا جاتا ہے۔ انشائیہ نگار، نظم گو کی طرح تسلسل کے ساتھ کچھ نہیں کہتا۔ وہ غزل سناتا ہے جس کی وضاحت میں اشاریت ہوتی ہے اور اشاریت میں وضاحت۔ اسی وجہ سے مڈلٹن مرے انشائیہ میں اختصار کے ساتھ عدم تکمیل کو ضروری سمجھتا ہے۔ انشائیہ اصل میں نثر کی غزل ہے اس میں بھی غزل کا سا اختصار اور انتشار، مخصوص داخلیت، نرمی اور آہستہ روی، گھلاوٹ، شیرینی، ترنم اور نشتریت، دل نشینی و دل ربائی، اشارے اور کنائے پوری طرح موجود ہوتے ہیں۔ انشائیہ شخصی اور انفرادی تجربات اور ان سے حاصل ہونے والی دانائی اور بینائی کی جلوہ گاہ ہے۔ اس لیے انشائیہ نگار کے پاس موضوعات کی کمی نہیں ہوتی۔ وہ تنکے سے لے کر سورج تک اور انسان سے لے کر خدا تک کسی کو بھی اپنا موضوع بنا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس موضوع سے حقیقتاً متاثر ہوا بھی ہو۔ کیونکہ یہ تاثر ہی ہوتا ہے، جو سمندِ خیال پر تازیانہ کا کام کرتا ہے۔ اور پھر خیال کی خوش خرامی ایسے گل کتر جاتی ہے جو ہمیشہ شاداب رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حقیقی انشائیہ نگار باوجود ہنگامی موضوعات پر لکھنے کے ان میں دوام پیدا کرتا ہے۔

انشائیہ نگار کو صرف موضوع کے انتخاب کی ہی آزادی نہیں ہوتی بلکہ انتخاب کے بعد اس موضوع پر کسی خاص ترتیب ربط یا تنظیم کے ساتھ اظہار

خیال کرنا بھی اس کے لیے ضروری نہیں۔ اسی بنا پر جانسن اسے غیر منظم ادب پارہ بھی کہتا ہے۔ انشائیے اگر چہ انشائیہ نگار کے داخلی خیالات اور تاثرات کا مرقع ہوتے ہیں لیکن خارجی اشیا ہی سے انشائیہ نگار کو تحریک ہوتی ہے۔ انشائیہ میں اسی لیے ایک قسم کی خارجی داخلیت بھی ملتی ہے۔ انشائیہ نگار دل و دماغ دونوں سے کام لیتا ہے۔ انشائیہ میں دلی جذبات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور عقلی دلائل کو دل کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جاتا ہے۔

انشائیہ نگار دوسروں کے خیالات اور جذبات پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔ اس لیے صرف اپنے پر ہی نہیں دوسروں پر بھی تنقید کرنے سے نہیں چوکتا۔ لیکن انشائیہ نگار کی یہ تنقید اسے بلند مرتبہ اسی وقت دے سکتی ہے جب کہ اس کی بنیاد زندگی اور انسانی فطرت کے گہرے مطالعے پر ہو۔ اس مطالعے کے بعد جب انشائیہ نگار کڑی سے کڑی تنقید کرتا ہے تو بھی اس میں تلخی پیدا ہونے نہیں پاتی۔ کیونکہ اب اس میں ہمدردی کے ساتھ خلوص بھی ہوتا ہے اس لیے شگفتگی بھی ہوتی ہے اور خوش طبعی بھی۔

انشائیہ کا اسلوب اگر چہ شگفتہ، سلیس اور سادہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود انشائیہ میں فلسفہ، حکمت، سائنس جیسے موضوعات بھی زیر بحث آجاتے ہیں اور آسکتے ہیں لیکن انشائیہ نگار کا مقصد ان کی گہرائیوں میں جا کر ان کی تشریح کرنا نہیں ہوتا۔ ہاں سلسلۂ بیان میں دلی تاثرات کو ظاہر کرنے وہ ان سے مدد ضرور لیتا ہے۔

انشائیے کی کامیابی کا راز بھی اسی میں ہے کہ انشائیہ نگار موضوع کے بجائے موڈ (Mood) کا تابع ہو لیکن انشائیہ نگار کے لیے پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ اس کی زبان اور دماغ دونوں شاعرانہ ہوں اور انشائیہ کو بہر طور ادب لطیف ہونا چاہیے۔ یہاں ادب لطیف سے مراد وہی طرز انشا ہے جو وسعتِ علم، احساس شعریت اور حکیمانہ نزاکت خیال سے پیدا ہوتی ہے۔

انشائیہ کو اردو ادب میں اب بھی وہ مقام نہیں ملا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ اردو ادب میں انشائیہ کا بہت بڑا سرمایہ ان ہی ادیبوں کا رہین منت ہے جو طنز و مزاح کے پیرائے میں اپنے خیالات اور تاثرات پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ انشائیہ میں طنز اور مزاح کے ساتھ سنجیدگی اور تفکر کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ انشائیہ میں خواہ کوئی بھی پیرایۂ بیان اختیار کیا جائے، اس میں زندگی اور زندہ دلی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ صنف ادب اپنے اندر بڑی وسعتیں رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود ایسے بہت کم اردو ادیب ہیں جنھوں نے صرف اس کی پہنائیوں میں اپنے آپ کو گم کر دیا ہو۔

انشائیہ کے ابتدائی نقوش یوں تو وجہی کی ''سب رس'' میں ملتے ہیں۔ لیکن انشائیہ کی صورت گری سرسید کے زمانے میں ہوئی۔ سرسید کے پاس ہی روایتی انشائیہ ملتا ہے۔ اس کو فروغ دینے میں محمد حسین آزاد کی خدمات اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے بعد شرر نے اس کی طرف خصوصی توجہ کی سجاد انصاری، سجاد حیدر یلدرم، مہدی افادی، حسن نظامی، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کنہیا لال کپور، فرحت اللہ بیگ، کرشن چندر، مشتاق احمد یوسفی، یوسف ناظم مجتبی حسین ان کے علاوہ کئی اور ایسے ادیب ہیں جن کے نام اور کام انشائیہ نگاری کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1- انشائیہ کو غنائیہ کے مماثل کس نے قرار دیا؟

2- انشائیہ کی تین اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

6.7 خلاصہ

Personal Essays کے لیے انشائیہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس صنف ادب میں ہلکے پھلکے انداز میں شخصی تاثرات اور احساسات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کی تعریف انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں یوں کی گئی ہے:

''اوسط لمبائی کا نثری مضمون، جس میں سہل اور سرسری انداز میں صرف اس موضوع سے بحث کی جاتی ہے جو لکھنے والے کو متاثر کرتا ہے۔''

انشائیہ میں شخصی احساسات اور تاثرات کو بنیادی اہمیت حاصل رہتی ہے۔ انشائیہ میں دوسری اہم بات غیر مصنوعی اور بے تکلف ہونا ہے۔ انشائیہ نگار خوشگوار انداز میں حکمت اور فلسفے کی باتیں بھی کرتا ہے۔ وہ خواہ کوئی بھی موضوع ہو شگفتہ انداز میں اپنی بات بیان کرتا ہے۔

انشائیے کے ابتدائی نقوش اردو کی اولین ادبی کتاب ''سب رس'' میں ملتے ہیں۔ انشائیہ نگار نئے معنیٰ و مفاہیم پیدا کرتا ہے۔ وجہی کے پاس یہہ خصوصیت ملتی ہے۔

سرسید احمد خاں کے انشائیوں سے اس صنف کا با قاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ خاص طور سے ''امید کی خوشی'' پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ انشائیہ کی ہر تعریف پر پورا اترتا ہے۔ سرسید ہی کے زمانے میں محمد حسین آزاد کا ''نیرنگ خیال'' انشائیوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے۔ شرر نے بھی اس صنف ادب میں بعض اچھے نمونے تخلیق کیے ہیں۔ حسن نظامی نے اس صنف ادب کو فروغ دینے میں بڑا اہم حصہ ادا کیا۔ انہوں نے سینکڑوں انشائیے بے شمار موضوعات پر لکھے ہیں۔ انشائیے کے سلسلے میں اور جو اہم نام ملتے ہیں ان میں ناصر علی دہلوی، مولانا ابوالکلام آزاد، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، مہدی افادی، پطرس بخاری، سجاد انصاری، مہدی افادی، شوکت تھانوی، شفیق الرحمٰن، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، ابراہیم جلیس، کنھیالال کپور، مشتاق احمد یوسفی، یوسف ناظم اور مجتبیٰ حسین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انشائیے کے تعلق سے وزیر آغا کا جو نقطۂ نظر ہے، وہ خالص علمی اور ادبی نہیں ہے۔ وہ مذکورہ بالا تمام انشائیہ نگاروں کو انشائیہ نگاری کے زمرے سے خارج کرتے ہیں۔ اصل میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد اردو میں انشائیہ نگاری شروع ہوئی۔ گو یہ لفظ وضع تو ہوا ہندوستان میں، لیکن انہوں نے ہی اسے اردو میں رواج دیا۔ وہ خود اولین انشائیہ نگاروں میں سے ہیں۔ انہوں نے ہی انشائیہ نگاری کی تحریک شروع کی۔ وہ مزاحیہ اور طنزیہ انشائیہ نگاروں کو بھی اس زمرے میں شامل کرنا نہیں چاہتے۔ ان کی ساری بحث اس وجہ سے قابل اعتنا نہیں ہے۔

مشہور انگریزی ادیب جانسن نے انشائیہ کی اہم خصوصیت بڑے ہی مختصر انداز میں بیان کی ہے۔ وہ انشائیہ کو loose sally of mind یعنی ذہن کی آزاد ترنگ کہتے ہیں۔ لفظ ترنگ انشائیہ کی روح کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ انسان ترنگ میں آکر ہر موضوع پر بے تکلف انداز میں باتیں کرسکتا ہے۔ انشائیہ میں انشائیہ نگار کے داخلی جذبات، احساسات، تاثرات، اس کا انداز فکر، اس کا فلسفہ حیات غرض کہ اس کی پوری داخلی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس صنف ادب کا موجد مونٹین اسے ذاتی شبیہہ (Self Portrait) قرار دیتا ہے۔

انشائیہ کے مواد اور ہیئت دونوں پر شخصیت کی چھاپ ہوتی ہے۔ انشائیہ نگار کے خیالات، احساسات اور تاثرات کو اصولوں اور پابندیوں کی زنجیر نہیں پہنائی جاسکتی۔ اس کے تاثرات کی رو کوئی بھی رخ اختیار کرسکتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے غیر منظم ادب پارہ بھی کہا جاتا ہے۔ مختصر طور پر انشائیہ کی تین خصوصیات ہوتی ہیں۔ احساسِ شعریت، وسعتِ علم اور حکیمانہ نزاکت خیال۔ ہر اعلیٰ درجے کے انشائیے میں یہ تینوں باتیں ملتی ہیں۔

6.8 نمونہ امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں لکھیے۔

1- انشائیے کے ابتدائی نقوش کس کے پاس ملتے ہیں۔ اردو کے اہم انشائیہ نگار کون ہیں؟

2- انشائیہ کے متعلق وزیر آغا کا نقطۂ نظر کیوں قابل قبول نہیں ہے؟ مدلل بیان کیجیے۔

درج ذیل سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں لکھیے۔

1- انشائیہ کی تعریف کرتے ہوئے اس کا مفہوم واضح کیجیے۔

2- انشائیہ کی بنیادی خصوصیات بیان کیجیے۔

6.9 فرہنگ

غیر منظم	=	جو کسی نظام یا اصولوں کا پابند نہ ہو۔
احساس شعریت	=	شعر پڑھنے سے یا شاعری سے جو احساس پیدا ہو
حکیمانہ نزاکت خیال	=	دانائی اور فکر کو لیے ہوئے خیال کی نزاکت، ایسا نازک خیال جس میں حکمت یعنی دانائی اور بینائی ہو۔
تمثیلی	=	جس میں معنی کی دو سطحیں ہو۔ ایک تو ظاہری سطح دوسرے اندرونی سطح۔
تقدم زمانی	=	زمانے کے لحاظ سے اولیت۔

6.10 سفارش کردہ کتابیں

1- ڈاکٹر فرمان فتحپوری — اردو نثر کا فنی ارتقا

2- ڈاکٹر وزیر آغا — معنی اور تناظر

3- ڈاکٹر سید محمد حسنین — صنف انشائیہ اور انشائیے

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE LIBRARY
Accn. No. MA-063
Date 03-08-2015
MANUU * HYDERABAD *

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE
IMC LIBRARY
MANUU Hyderabad